کتب علوم الحدیث میں امثال فقہیہ پر اختلاف مسالک کے اثرات؛ ایک تحقیقی جائزہ

The effects of differences of Masalik on the Jurisprudential proverbs stated in books of hadith studies

* Muhammad Ata-ul-Mustafa

**Dr. Hafiz Masood Qāsim

The foundation of the Sharia is revelation, revelation is the name of two things, the Qur'an and the Sunnah, since both are related to the news, and to convey the news to others, narrators are needed, so for the propagation of the Qur'an and the Sunnah to future generations. It was necessary to have narrators, the narrators of the Holy Qur'an are called Qira, the narrators of the Sunnah are called Muhaddith, the traditions of the Holy Qur'an are called 'Qara'at' and the traditions of the Sunnah are called 'Ahadith'.

Both the Qur'an and the Sunnah are revelations, but still there are some differences between them which are explained in detail in the Book of Principles. It was a difficult task, and the significant efforts made by the Muhadditheen in this regard were more famous and campaigned than the knowledge of al-Qaraat and recitation. He became famous with this, and some people even got the wrong impression that he had nothing to do with jurisprudence, and this wrong impression was reinforced by the behavior of the some Narrators.

In reasoning and deriving from the Sunnah, there were many disorders and factors that gave birth to different schools of jurisprudence. For example, a hadith revealed to an imam or a jurist during reasoning has a hidden reason that is not revealed to anyone else. Therefore, there is a difference in argumentation. Similarly, sometimes the hadeeth is correct in a certain issue in front of a jurist, while on the other hand, it is weak in the opinion of another, which leads to diversity in argumentation.

* Ph.D Research Scholar, Dept. of Islamic Studies, Qurtuba University of Science and Information Technology D.I.Khan. ataulmustafa1802@gmail.com

**Assistant Professor, Dept. of Islamic Studies, University of Agriculture Faisalabad hafizqasim@uaf.edu.pk

When the jurists differed in the derivation of the issues and rulings, in fact, these are cases of priority and non-priority, in which there is, however, scope that any position can be declared preferred based on arguments.

Keywords: Hadith, Muhadditin, Jurisprudential Proverbs, School of Thoughts, Differences.

تعارف:

شریعت کی بنیاد وحی ہے، وحی دو چیزوں کا نام ہے، قرآن اور سنت، چونکہ دونوں کا تعلق خبر سے ہے، اور خبر دوسرے تک پہنچانے کے لیے ناقلین کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے قرآن وسنت کی آئندہ نسلوں تک تبلیغ کے لیے ناقلین یعنی راویوں کا ہونا ضروری تھا، قرآن مجید کے راوی قراء کہلائے، سنت کے راوی محدثین کہلائے، قرآن مجید کی روایات ' قرأت ' اور سنت کی روایات ' احادیث ' کہلائیں۔

قرآن وسنت دونوں وحی ہیں، لیکن پھر بھی ان میں کچھ فروق ہیں جو کتب اصول میں شرح وبسط سے بیان کیے گئے ہیں، ان فروق کی وجہ سے سنت کی روایات یعنی احادیث کی حفاظت پر زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت تھی، کیونکہ یہ نسبتا مشکل کام تھا، اور محدثین نے اس سلسلے میں جو نمایاں جہود سرانجام دیں، وہ بھی علم القرأت اور قراء کی نسبت زیادہ مشہور اور مہم گردانی گئیں، حفظ سنت کے فریضے کی ادائیگی کو محدثین نے اس جانفشانی اور تندہی سے سرانجام دیا کہ وہ اسی کے ساتھ مشہور ہوگئے، اور بعض لوگوں کو یہاں تک غلط فہمی ہوئی کہ شاید فقہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اور اس غلط تاثر کو تقویت چند راویوں کے طرز عمل سے بھی ملی۔

سنت سے استدلال واستنباط میں کئی عوارض اور عوامل ایسے پیش آئے جن سے مختلف مذاہبِ فقہیہ کو وجود ملا۔ مثال کے طور پر ایک امام یا فقیہ کے ہاں دورانِ استدلال سامنے آنے والی حدیث میں کوئی مخفی سبب ہوتا ہے جو کسی دوسرے کے سامنے نہیں ہوتا۔ لہٰذا استدلال میں اختلاف آجاتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات کسی فقیہ کے سامنے کسی خاص مسئلہ میں حدیث صحیح ہوتی ہے جبکہ اس کے بالمقابل دوسرے کے پاس ضعیف، جس سے استدلال میں تنوّع آجاتا ہے۔ مسائل واحکام کے استنباط میں فقہاء نے جب اختلاف کیا تو درحقیقت یہ ترجیح وعدمِ ترجیح کی صورتیں ہیں، جن میں بہرحال گنجائش موجود ہے کہ دلائل کی بنیاد پر کوئی بھی موقف راجح قرار دیا جاسکتا ہے۔

علوم الحدیث کی کتب میں بیان کردہ امثال فقہیہ کے تناظر میں مختلف شرعی مسائل کے اندر فقہاء کے مابین اختلاف بعض اوقات احادیث کے عدم ہونے یا غیر عدم ہونے کی بناء پر بھی پایا جاتا ہے۔ بعض اوقات احادیث میں تعارض آجاتا ہے یا مشترک المعنی الفاظ آجاتے ہیں تو ان الفاظ کی تشریحات میں اور اس تعارض کو ختم کرنے کی تشریحات میں فقہاء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس مقالہ میں کتب حدیث میں سے فقہی امثال کو بیان کیا گیا ہے، اور حدیث کے ضمن میں مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ ان میں احناف، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی بھی مثالیں دیں ہیں اور اس کی وضاحت کے لئے دلائل بھی پیش کئے گئے ہیں۔ فقہی مباحث کو جمع کرکے ان کا تجزیہ کیا ہے۔ ایک مسئلہ پر حدیث کو بیان کرکے اسی کے مطابق احناف، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے دلائل کی حدیثوں کو نقل کرکے اس میں سے مسئلے کا استنباط کیا ہے۔ اور آخر میں تمام مسالک کے راجح قول کو بیان کیا ہے۔

مقالہ ہذا میں کتب حدیث میں وارد امثال فقہیہ (بدنی عبادتیں، یتیم کے مال میں زکوۃ واجب ہے یا نہیں اس میں اہل علم کی رائے، جمع بین الصلوتین کا فقہاء کے نزدیک حکم) کی بنا پر اختلاف مسالک کے اثرات کو بیان کیا جائے گا۔

خبر واحد کے رد و قبول کے ذیل میں بیان ہونے والی امثال فقیہ

مثال نمبر 1: کتاب قواعد التحدیث

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسیَ بْنِ اَعْيَنَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِىْ عَنْ عَمْرٍ و بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ اَبِىْ جَعْفَرٍ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَهٗ عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ مَّاتَ وَعَلَىْ صِيَامٌ عَنْهُ وَلِيُّهٗ تَابَعَهٗ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرٍو وَرَوَاهُ يَحْيَ بْنُ اَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ اَبِىْ جَعْفَرٍ[1]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: کہ ہمیں محمد بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن موسیٰ بن اعین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از عمرو بن الحارث از عبید اللہ بن ابی جعفر کہ محمد بن جعفر نے ان کو حدیث بیان کی از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص فوت ہو گیا اور اس کے ذمہ روزے تھے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔ محمد بن موسیٰ کے والد کی متابعت ابن وہب نے کی ہے از عمرو اور اس حدیث کو یحییٰ بن ایوب نے از ابن ابی جعفر روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال

محمد بن خالد، کے متعلق اختلاف ہے ابو نصر اور حاکم نے کہا: یہ خلی ہیں اور اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں کیونکہ ان کا نام محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ بن خالد ہے اور ابن عدی نے شیوخ بخاری میں بیان کیا ہے کہ یہ محمد بن خالد بن جبلہ الرافقی ہیں اور رافع یہ ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن خالد بن خلی ہیں، امام بخاری ان کو ان کے والد کی طرف منسوب کیا۔ (2) محمد بن موسیٰ بن اعین ابو یحییٰ الجزری (3) ان کے والد موسیٰ بن اعین الجزری ابو سعید ہیں یہ 195 یا 197 میں فوت ہو گئے تھے (4) عمرو بن حارث بن یعقوب انصاری ابو امیہ مؤدب (5) عبد اللہ بن ابی جعفر یسار اموی قرشی (6) محمد بن جعفر بن زید بن عوام (7) عروہ بن زبیر (8) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی سند میں آٹھ رجال ہیں اور اس کی نظیر صحیح البخاری میں بہت کم ہے۔[2]

اس حدیث کی عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے جو شخص اس حال میں فوت ہو گیا کہ اس کے ذمہ روزے تھے تو اس کا ولی اس کی طرف روزے رکھے گا۔

میت کے قضاء روزوں کے متعلق اختلاف مسالک کے اثرات:

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی (449ھ) لکھتے ہیں:

علماء کا اس شخص کے متعلق اختلاف ہے جو رمضان کے مہینہ میں فوت ہو گیا اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے تھے ایک جماعت نے کہا کہ اس کی طرف سے روزے رکھنا جائز ہے یہ طاؤس، حسن بصری، زہری اور قتادہ کا قول ہے ابو ثور اور اہل ظاہر کا بھی یہی مذہب ہے اور انہوں نے صحیح بخاری کی مذکور الصدر حدیث سے استدلال کیا ہے۔

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، رقم الحدیث: 1951

[2] عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1998ء ج 11، ص 83

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ نذر کے روزے میت کی طرف سے اس کا ولی رکھے گا، اور رمضان کے قضاء روزوں میں میت کی طرف سے کھانا کھلائے گا۔

حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھے گا، یہ امام مالک، امام شافعی اور امام حنیفہ کا مذہب ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رمضان کے قضاء رزوں میں میت کی طرف سے کھانا کھلایا جائے گا اور اس کی طرف سے روزے نہیں رکھے جائیں گے۔

علامہ ابن القصار نے کہا ہے کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ میت کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے گا، اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ اس کی طرف سے کھانا کھلائے گا اور اس کا کھانا کھلانا اس کی طرف سے روزے رکھنے کے قائم مقام ہے اور جب اس نے اس کی طرف سے کھانا کھلایا یعنی ہر روزے کے عوض دو کلو گندم یا چار کلو کھجور دے دیں تو گویا میت کے ولی نے اس کی طرف سے روزے رکھ لیے۔

علامہ المہلب مالکی متوفی (435ھ) نے کہا ہے کہ اگر میت کی طرف سے کوئی بدنی عمل کرنا جائز ہوتا تو لوگ میت کی طرف سے نماز پڑھ لیتے اور اس کی طرف سے ایامن لے آتے اور اگر یہ جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ اس پر حریص تھے کہ وہ اپنے چچا ابو طالب کی طرف سے ایمان لے آتے کیونکہ آپ کو ان کے ایمان کی بہت خواہش تھی، اور ایمان لانا قلب کا عمل ہے اور قلب بھی بدن کے اعضاء میں سے ایک عضو ہے، حالانکہ تمام اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ کسی شخص کا دوسرے کی طرف سے ایمان لانا جائز ہے نہ کسی شخص کا دوسرے کی طرف نماز پڑھنا جائز ہے، سو اسی طرح کسی شخص کا دوسرے کی طرف سے روزہ رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ مہلب کو اپنی دلیل میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ ایک نوع کی بے ادبی ہے۔ علامہ ابن القصار مالکی کہتے ہیں کہ جب بہت بوڑھے شخص کی زندگی میں اس طرف سے روزہ نہیں رکھا جاتا بلکہ اس کی طرف سے روزہ کا فدیہ دیا جاتا ہے تو اس کی موت کے بعد تو یہ زیادہ لائق ہے کہ اس کی طرف سے روزہ نہ رکھا جائے بلکہ فدیہ دیا جائے۔

فقہاء احناف، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابو ثور کا یہ مذہب ہے کہ میت نے خواہ وصیت نہ کی ہو، پھر بھی اس کے مال سے روزوں کا فدیہ دیا جائے مگر امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ اس کی موت سے یہ حکم ساقط ہو گیا، اور امام مالک نے یہ کہا ہے کہ میت کی طرف سے اس کے وارثوں کے اوپر کھانا کھلانا واجب نہیں ہے، سوا اس صورت کے کہ اس نے وصیت کی ہو تو پھر میت کے تہائی مال سے اس کے روزوں کے عوض کھانا کھلایا جائے۔

> اس پر جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ میت کی طرف سے کھانا کھلانا واجب ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قضاء روزوں کو قرض کے مشابہ قرار دیا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ان روزوں کی قضاء یہ ہے کہ ہر روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔[3]

[3] البکری ابی الحسن، شرح ابن بطال، در الکتب العلمیہ، بیروت، 2005ء، ج4، ص84-85

میت کے قضاء روزوں کے متعلق فقہاء احناف کا مسلک

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر میت نے وصیت کی تھی کہ اس سے جو روزے قضاء ہو گئے ہیں، ان کی طرف سے کھانا کھلایا جائے تو ہر روزے کے عوض 4 کلو کھجوریں یا کشمش یا دو کلو گندم مسکین کو دیئے جائیں اور اگر میت نے وصیت نہیں کی تھی تو پر پھر ورثاء پر کچھ لازم نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص فوت ہو گیا اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہوں تو اس کے ہر روزے کے عوض ایک دن ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے" [4]

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں:

اس باب میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے روزے رکھے جائیں گے امام احمد اور اسحاق نے یہ کہا ہے کہ جب میت پر نذر کے روزے ہوں تو اس کی طرف روزے رکھے جائیں گے اور جب اس پر قضاء رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے گا، امام مالک سفیان اور امام شافعی نے کہا ہے کہ "کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھے گا"۔[5]

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا جاتا کہ آیا کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے یا کوئی شخص کسی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ تو وہ کہتے تھے کہ کوئی شخص کسی طرف سے روزہ نہ رکھے اور نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔[6]

میت کے قضاء روزوں کے متعلق متاخرین کا مسلک

شیخ وحید الزمان متوفی (1328ھ) صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

متاخرین کا مذہب باب کی حدیث پر ہے کہ اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے اور شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ امام شافعی سے بیہقی نے بہ سند صحیح روایت کیا ہے کہ جب کوئی صحیح حدیث میرے قول کے خلاف مل جائے تو اس پر عمل کرو اور میری تقلید نہ کرو، امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے اس حدیث صحیح کے بر خلاف یہ اختیار کیا ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا۔[7]

میت کی طرف سے قضاء روزے رکھنے کے خلاف حافظ ابن حجر عسقلانی کے دلائل

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

---

4 سنن ترمذی، رقم الحدیث 718
5 سنن ترمذی، ص 229
6 مؤطا، مالک بن انس، مؤطا امام مالک، مکتبۃ البشریٰ، کراچی، 2010ء کتاب الصیام، ج 1، ص 196، حدیث: 43
7 تیسیر الباری، ج 2، ص 310

اس باب کی حدیث کا علامہ ماوردی نے یہ جواب دیا ہے کہ میت کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایسا فعل کرے جو روزے کے قائم مقام ہے یعنی کھانا کھلائے، اس کی نظیر یہ حدیث ہے کہ جب مسلمان کو پانی نہ ملے تو مٹی مسلمان کا وضوء ہے اس حدیث میں بدل (مٹی) کو مبدل منہ (وضوء) کا نام دیا گیا ہے اور فقہاء احناف نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ ایک عورت مر گئی ہے اور اس پر روزے تھے، حضرت عائشہ نے فرمایا:

"اس کی طرف سے طعام کھلایا جائے گا"[8]

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اپنے مُردوں کی طرف سے روزے نہ رکھو اور ان کی طرف سے کھانا کھلاؤ"[9]

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ:

"جو شخص رمضان میں بیمار ہو گیا اور اس نے روزے نہیں رکھے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا تو اس کی طرف سے ہر روز دو کلو گندم کھلائی جائے گی"[10]

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"کوئی شخص کسی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ رکھے لیکن اس کے ہر روزہ کے عوض ایک دن دو کلو گندم کھلائی جائے گی"[11]

حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات میں تعارض کے جوابات

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی صحیح بخاری میں روایات یہ ہیں کہ میت کی طرف سے روزے رکھے جائیں اور ان کے مذکورہ فتاویٰ یہ ہیں کہ میت کی طرف سے روزے نہ رکھے جائیں اور جب راوی کی روایت اور اس کے فتویٰ میں تعارض ہو تو اس کے فتویٰ پر عمل کیا جاتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے جو روایت اس کی طرف منسوب ہے وہ صحیح نہ ہو یا وہ روایت اس کے نزدیک منسوخ ہو چکی ہو، نیز جو روایات ان کی طرف منسوب ہیں، ان میں میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا جواز ہے اور جو اُن کے فتاویٰ ہیں ان میں میت کی طرف سے روزے رکھنے کی ممانعت ہے اور جب کوئی حدیث یا قول حلت اور حرمت میں متعارض ہو تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کو ترجیح دی جائے گی نہ کہ ان کی روایات کو ترجیح دی جائے گی۔

صحیح بخاری کے باب مذکور کی حدیث مذکور کے ضعف پر فنّی اور فقہی دلائل

امام بخاری کی روایت مذکورہ جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے: میت کی طرف سے روزے رکھے جائیں اس کے متعلق حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی (855ھ) لکھتے ہیں:

---

8 سنن بیہقی، ج4، ص257

9 سنن بیہقی، ج4، ص257

10 الصنعانی، عبد الرزاق بن ہمام، مصنف عبد الرزاق، دار الکتب بیروت، 1461ھ، ص181

11 بیہقی، احمد بن حسین، السنن الکبریٰ، موٴسستہ الرسالۃ، بیروت 1421ھ، ج3، ص257

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ مھنیٔ نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبل سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے متعلق سوال کیا کہ جو شخص مر گیا اور اس پر روزے ہوں۔ تو امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل نے کہا: یہ حدیث محفوظ نہیں ہے، اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن ابی جعفر ہے اور وہ منکر الاحادیث ہے اور وہ فقیہ تھا جبکہ حدیث میں وہ اس پائے کا نہیں ہے، اور امام بیہقی نے کہا: میں نے اپنے بعض اصحاب کو دیکھا وہ حضرت عائشہ کی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے کیونکہ عمارہ بن عمیر نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت فوت ہوگئی اور اس پر روزے تھے تو حضرت عائشہ نے فرمایا: اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے گا اور ایک اور سند کے ساتھ حضرت عائشہ سے مروی ہے: اپنے مردوں کی طرف سے روزے نہ رکھو اور ان کی طرف سے کھانا کھلاؤ پھر امام بیہقی نے کہا: ان دونوں حدیثوں میں نظر ہے اور اس عبارت پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے عمرہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ میری ماں فوت ہوگئی اور اس پر رمضان کے روزے تھے کیا یہ صحیح ہے کہ میں ان کی طرف سے رمضان کے روزے رکھوں؟ انہوں نے کہا: نہیں! لیکن تم ان کی طرف سے ہر روزے کے عوض ایک مسکین پر صدقہ کرو تو یہ تمہارے روزے رکھنے سے بہتر ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

فقہاء احناف کے مؤقف پر مزید احادیث اور آثار

امام عبد الرزاق اپنی سند کے ساتھ حضرت عبادہ بن نسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

> "جو شخص رمضان میں بیمار ہو گیا، پھر وہ بیمار ہی رہا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا اس کی طرف سے کھانا نہیں کھلایا جائے گا اور اگر وہ تندرست ہو گیا اور اس نے روزوں کی قضاء نہیں کی حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا تو اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے گا"[12]

ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا:

> "جب کوئی شخص رمضان میں بیمار ہو گیا، پھر وہ مسلسل بیمار رہا حتیٰ کہ وہ مر گیا تو اس کی طرف سے ہر روزہ کے عوض دو کلو گندم کھلائی جائے گی۔[13]

امام عبد الرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے میت کی طرف طعام کھلایا جائے گا۔[14]

ابن التیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابن سیرین سے طاؤس کا قول ذکر کیا تو انہوں نے اس کو بہت پسند کیا۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا:

---

[12] مصنف عبد الرزاق، ج4، ص182

[13] ایضاً

[14] ایضا

"ایک شخص پورا رمضان بیمار رہا، پھر تندرست ہو گیا ابھی اس نے قضاء روزے نہیں رکھے تھے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا انہوں نے کہا: اس کی طرف سے تیس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا، ہر ایک کو ایک کلو، میں نے پوچھا: ایک آدمی پورے رمضان میں بیمار رہا، پھر تندرست ہو گیا، اس نے قضاء روزے نہیں رکھے تھے حتیٰ کہ دوسرا رمضان آگیا، پھر وہ اس رمضان میں یا اس کے بعد فوت ہو گیا انہوں نے کہا: اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو ساٹھ کلو کھانا کھلایا جائے گا۔[15]

معمر بیان کرتے ہیں کہ قتادہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص پورا رمضان بیمار رہا، پھر تندرست ہو گیا، اس نے قضاء روزے نہیں رکھے تھے، حتیٰ کہ دوسرا رمضان آگیا وہ اس رمضان میں یا اس کے بعد فوت ہو گیا انہوں نے کہا: اس کی طرف سے پہلے رمضان کے ہر روزے کے عوض دو مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا۔

معمر بیان کرتے ہیں کہ ابن جریج اور عطاء نے کہا:

"میت کی طرف سے (ہر روزہ کے عوض) ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے گا"[16]

محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص فوت ہو گیا اور اس کے اوپر رمضان کے روزے تھے اور اس پر دوسرے مہینہ کے نذر کے روزے بھی تھے، انہوں نے کہا:

"اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا"[17]

تجزیہ

فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا، پس اسی طرح روزوں کا حکم ہونا چاہیے کیونکہ یہ دونوں بدنی عبادتیں ہیں اور علامہ ابن القصار مالکی نے کہا ہے کہ جب کسی بوڑھے شخص کی طرف سے اس کی زندگی میں روزے رکھنا جائز نہیں ہیں بلکہ اس کی طرف سے فدیہ دیا جاتا ہے تو اس کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے روزے رکھنا کیوں کر جائز ہو گا۔ لہٰذا کھانا کھلانے کے عمل کو ترجیح حاصل ہے اور وہی نافذ العمل ہے۔

مثال نمبر 2: کتاب قواعد التحدیث

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَاْذَنَتِ امْرَاَةُ اَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعْهَا۔[18]

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

---

[15] مصنف عبد الرزاق، ج4، ص183

[16] ایضا، ج4، ص184

[17] ایضا، ص4، ص184، سنن بیہقی، ج4، ص254

[18] بخاری، محمد بن اسماعیل، رقم الحدیث: 2319

"ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی از معمر الزہری از سالم بن عبد اللہ از والد خود رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی بیوی اجازت طلب کرے تو وہ اس کو منع نہ کرے"

خواتین کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مسلک

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی (446ھ) لکھتے ہیں:

عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند یا سرپرست کی اجازت کے بغیر مسجد میں جائے اور خاوند کو چاہیے کہ وہ عورت کو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانے سے اور جس کام میں اس کی دینی منفعت ہو، اس سے اس کو منع نہ کرے۔ یہ اس صورت میں محمول ہے جب عورت پر فتنہ کا خطرہ نہ ہو اور اس زمانہ کے حالات میں فتنہ اور فساد کا غلبہ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب فتنہ اور فساد کا غلبہ ہو تو خواتین کو مسجد کی طرف نہیں جانا چاہیے۔

اس حدیث میں جو عورتوں کے مسجد میں جانے کا ذکر ہے امام مالک کے نزدیک اس سے مراد بوڑھی عورتیں ہیں، اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ بوڑھی عورتیں مسجد میں جائیں لیکن بہ کثرت آنا جانا نہ رکھیں اور جوان عورتیں ایک دو مرتبہ چلی جائیں اور وہ اپنے گھر والوں کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جاسکتی ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے کہا: میں عورتوں کے نمازِ جمعہ اور فرض نمازوں کے لیے مسجد میں جانے کو مکروہ قرار دیتا ہوں اور بوڑھی عورتوں کے لیے فجر اور عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت دیتا ہوں اس کے علاوہ نہیں۔

امام ابو یوسف نے کہا: بوڑھی عورتوں کے لیے نمازوں کے لیے مسجد میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جوان عورت کے نکلنے کو مکروہ قرار دیتا ہوں، الثوری نے کہا: عورت خواہ بوڑھی ہو، اس کے گھر سے نکلنے میں کوئی خیر نہیں ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: عورت چھپائی جانے والی چیز ہے اللہ کے نزدیک اس کی مقرب نماز گھر کی کوٹھڑی میں ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانک کر دیکھتا ہے۔

ابراہیم النخعی اپنے گھر کی خواتین کے جمعہ اور جماعت کے لیے مسجد میں جانے کو مکروہ کہتے ہیں۔[19]

خواتین کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مسلک

علامہ زین الدین بن شہاب الدین ابن رجب حنبلی متوفی (795ھ) لکھتے ہیں:

مردوں کے ساتھ جماعت میں خواتین کے مسجد میں نماز پڑھنے کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء نے اس کو ہر حال میں مکروہ کہا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مؤقف ہے۔

امام احمد بن حنبل نے کہا: میں اس زمانہ میں عورتوں کے نکلنے کو مکروہ کہتا ہوں کیونکہ وہ فتنہ اور آزمائش ہیں۔

---

[19] شرح ابن بطال، ج2، ص543

امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ عیدین کے سوا گھروں سے نہ نکلیں۔

بعض فقہاء نے بوڑھی عورتوں کو نکلنے کی اجازت دی ہے اور جوان عورتوں کو منع کیا ہے، یہ امام کا قول ہے اور ایک روایت کے مطابق امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور ہمارے اصحاب حنبلیہ کا بھی یہی قول ہے۔[20]

خواتین کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مسلک

علامہ یحیٰ بن شرف نووی شافعی متوفی (676ھ) لکھتے ہیں:

عورتوں پر جماعت فرض نہیں ہے فرض عین نہ فرض کفایہ لیکن ان کے لیے جماعت سے نماز پڑھنا مستحب ہے، پھر اس میں دو صورتیں ہیں، ان کے حق میں مردوں کی طرح جماعت سے نماز پڑھنا مستحب ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کے حق میں مردوں کی طرح جماعت سے نماز پڑھنا مؤکد نہیں ہے، اس لیے ان کا جماعت ترک کرنا مکروہ نہیں ہے اور مردوں کے حق میں جماعت کو ترک کرنا مکروہ ہے اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ ان کے حق میں جماعت سے نماز پڑھنا سنت ہے اور گھروں میں ان کا جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے اور اگر مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ارادہ کریں تو جوان عورتوں کے لیے مکروہ ہے اور بوڑھی عورتوں کے لیے مکروہ نہیں ہے۔[21]

خواتین کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء احناف کا مسلک

عورتوں کے حق میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہے اور شارحین نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے: "جوان عورتوں کا جانا مکروہ ہے، اس سے تمام جماعات مراد ہیں، خواہ جمعہ کی جماعت ہو، عید کی جماعت ہو، نماز کسوف کی جماعت ہو یا نماز استسقاء کی جماعت ہو۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ ان کا گھر سے نکلنا مباح ہے، ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ ان کے گھر سے نکلنے میں فتنہ کا خوف ہے اور حرام کا سبب ہے اور جو حرام کا سبب ہو وہ حرام ہے اور خاص طور پر اس زمانہ میں جب کہ فساد اور بے راہ روی عام ہو چکی ہے، صاحب ھدایہ نے کہا ہے کہ بوڑھی عورت فجر، مغرب اور عشاء میں گھر سے نکلے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس وقت امن ہوتا ہے یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مؤقف ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ بوڑھی عورت تمام نمازوں کے لیے گھر سے نکلے کیونکہ اس کی طرف رغبت کم ہوتی ہے، اور حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے ایک یہ روایت بیان کی ہے کہ خواتین نماز کے لیے گھر سے نکلیں اور آخری صفوں میں کھڑی ہوں اور مردوں کے ساتھ نماز پڑھیں کیونکہ وہ جماعت کی اہل ہیں اور مردوں کی تابع ہیں اور امام ابو سف نے امام ابو حنیفہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ خواتین نمازیوں کی تعداد میں اضافہ کے لیے مسجد میں آئیں اور مسجد کے ایک کونے میں کھڑی ہوں اور نماز نہ پڑھیں کیونکہ نبی ﷺ نے حائضہ عورتوں کو اسی طرح کا حکم دیا ہے (یعنی نماز نہ پڑھنے کا) کیونکہ وہ نماز کی اہل نہیں ہیں"[22]

---

[20] عسقلانی، احمد بن حسن، فتح الباری، دار ابن الجوزیہ، ریاض، 1417ھ، ج5، ص309،

[21] الہی، محمد عاشق، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ، روضۃ الطالبین، ج1، ص444

[22] عمدۃ القاری، ج6، ص224

تجزیہ

خواتین نماز کے لے گھر سے نکلیں اور آخری صفوں میں کھڑی ہوں اور مردوں کے ساتھ نماز پڑھیں کیونکہ وہ جماعت کی اہل ہیں اور مردوں کی تابع ہیں اور امام ابو سف نے امام ابو حنیفہ سے یہ بھی یہی منقول ہے کہ خواتین نمازیوں کی تعداد میں اضافہ کے لیے مسجد میں آئیں اور مسجد کے ایک کونے میں کھڑی ہوں اور نماز نہ پڑھیں کیونکہ نبی ﷺ نے حائضہ عورتوں کو اسی طرح کا حکم دیا ہے۔ جبکہ مالکی جواز کے قائل ہیں، جبکہ شوافع کے نزدیک عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔

مثال نمبر 3: کتاب دراسات فی اصول الحدیث

حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمِ الضَّحَّاکُ بْنُ مَخْلَدٍ صَیْفِي عَنْ زَکَرِیَّاءَ اِسْحَاقَ عَنْ یَحیٰ ابْنِ عَادِ اللهِ بْنَ صَیْفِی عَنْ اَبِی مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ اُدْعُهُمْ اِلٰی شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنِیْ رَسُوْلُ اللهِ فَاِنْهُمْ اَطَاعُوْ لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَیْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّ لَیْلَةٍ فَاِنْ هُمْ طَاعُوْ الِذٰلِکَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَیْهِمْ صَدَقَةً فِیْ اَمْوَالِهِمْ تُوْ خَذُ مِنْ اَغْنِیَا نِهِمْ وَتُردُّ عَلیٰ لُقرَائهِمِ([23])۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم الضحاک بن مخلد نے حدیث بیان کی از زکریا بن اسحاق از یحیٰ بن عبد اللہ بن صیفی از ابی معبد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ بنی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا پس فرمایا: ان کو دعوت دو کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، پس اگر وہ اس کی اطاعت کر لیں تو پھر ان کو یہ خبر دو کہ اللہ نے ان پر ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پس اگر وہ اس کی اطاعت کر لیں تو پھر ان کو خبر دو کہ بے شک اللہ نے ان کے مالوں میں ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مال دار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر لوٹا دی جائے گی۔

یتیم کے مال سے زکوۃ کی ادائیگی ے متعلق اختلاف مسالک کے اثرات

حدیث مذکور کے رجال

(1) ابو عاصم الضحاک بن مخلد (2) زکریاء بن اسحاق (3) یحیٰ بن عبد اللہ بن صیفی مولیٰ عثمان رضی اللہ عنہ (4) ابو سعید مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ (5) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔[24]

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابق اس طرح ہے کہ اس حدیث میں زکوۃ کی فرضیت بیان کی گئی ہے۔

[23] الکوفی، ابی بکر عبد اللہ، مصنف ابن ابی شیبہ، مترجم محمد ادریس سرور، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2013ء، ج3، ص14

[24] عمدۃ القاری، ج8، ص337

حضرت معاذ کو یمن بھیجنے کی تاریخ

اس حدیث میں مذکور ہے نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ جب نبی ﷺ (9ھ) میں تبوک سے واپس آئے تو آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا، نبی ﷺ نے ان کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ اس کو تاریخ میں ربیع الثانی (10ھ) اور ربیع الثانی (9ھ) کے بھی اقوال ہیں۔[25]

اس حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ان کے مال دار لوگوں سے زکوٰۃ لی جائے گی اور ان کے فقراء پر لوٹا دی جائے گی۔

علامہ ابو سلیمان احمد بن محمد الخطابی الشافع المتوفی (388ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا ہے کہ ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر کی طرف منتقل نہ کی جاتی، جس شہر کے مال دار لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی گئی ہے وہ اسی شہر کے فقراء پر خرچ کی جائے گی اور یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔[26]

ہم کہتے ہیں کہ "فقرائهم" کی ضمیر اس شہر کے فقراء کی طرف راجع نہیں ہے بلکہ فقراء مسلمین کی طرف راجع ہے، خواہ اس شہر کے فقراء ہوں یا کسی اور شہر کے فقراء ہوں۔

قرآن مجید میں میں مصارف زکوٰۃ میں مطلقاً فقراء کا ذکر فرمایا ہے اور یہ قید نہیں لگائی کہ ایک شہر کی زکوٰۃ کو اسی شہر کے فقراء پر صرف کیا جائے۔

آئمہ ثلاثہ کا یتیم کے مال میں زکوٰۃ کو واجب کرنا اور امام ابو حنیفہ کا اس کے مال سے وجوب زکوٰۃ کو ساقط کرنا

نیز علامہ خطابی شافعی متوفی (388ھ) لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نابالغ بچہ جب مال دار ہو تو اس کے مال میں زکوٰۃ واجب ہو گی جس طرح جب وہ بچہ فقیر ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ کا لینا جائز ہے۔[27]

از المثنیٰ ابن الصباح از عمرو بن شعیب وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا، اس میں فرمایا: جو شخص ایسے یتیم کا والی ہو جس کا مال ہو وہ اس مال میں تجارت کرے اور اس کو ترک نہ کرے حتیٰ کہ اس کو صدقہ کھا جائے۔ امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند میں کلام ہے کیونکہ المثنیٰ بن الصباح حدیث میں ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔[28]

امام ترمذی اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

امام ترمذی متوفی (279ھ) اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[25] عمدۃ القاری، ج8ص338

[26] الخطابی، ابو سلمان بن حمد، اعلام السنن، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ، ج1، ص379

[27] اعلام السنن، ج1، ص379

[28] سنن ترمذی، رقم الحدیث 241

اہل علم کا اس باب میں اختلاف ہے نبی ﷺ کے متعدد اصحاب نے کہا ہے کہ یتیم کے مال میں زکوۃ واجب ہے ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے اور اہل علم کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یتیم کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی، سفیان ثوری، عبداللہ بن المبارک (اور امام ابو حنیفہ) کا یہی مذہب ہے۔

عمرو بن شعیب یہ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بیٹے ہیں، شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے حدیث سنی ہے، یحیٰ بن سعید نے عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ہمارے نزدیک ضعیف ہے اور جس نے ان کی حدیث کو ضعیف کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ سے حدیث کو روایت کرتے ہیں اور اکثر اہل علم عمرو بن شعیب کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ان میں امام احمد اور اسحاق وغیرہ ہیں۔[29]

زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنیٰ زکوٰۃ کے وجوب کا سبب اور زکوٰۃ کی حکمتیں

زکوٰۃ کا لغت میں معنیٰ ہے: بڑھنا کہا جاتا ہے: "زکا الزرع" کھیتی بڑھ گئی اور اس کا معنیٰ پاکیزہ کرنا بھی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى-(30)

جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔

زکوٰۃ کا شرعی معنیٰ ہے: جب نصاب کی مقدار پر ایک سال گزر جائے تو اس مال میں سے ایک حصہ غیر ہاشمی فقیر کو دے دیا جائے اگر سونا چاندی یا نقد روپیہ ہو تو اس میں چالیسواں حصہ دیا جائے، سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ سونا ہے اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے اور نقد روپیہ جو چاندی کے نصاب کے برابر ہو، چونکہ چاندی کی قیمت بدلتی رہتی ہے، اس لیے نقد روپیہ نصاب بھی بدلتا رہتا ہے۔

زکوٰۃ کے وجوب کا سبب نصاب کی مقدار کا مالک ہونا ہے اور وہ شخص عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔

زکوٰۃ کی حکمتیں یہ ہیں کہ مسلمان گناہوں کے میل سے اور بخل سے پاک ہو جاتا ہے اس کا آخرت میں درجہ قرب اللہ ہوتا ہے اور ضرورت مندوں کے ساتھ حسن سلوک ہوتا ہے۔[31]

تجزیہ

اہل علم کا اس باب میں اختلاف ہے نبی ﷺ کے متعدد اصحاب نے کہا ہے کہ یتیم کے مال میں زکوۃ واجب ہے ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے اور اہل

---

[29] سنن ترمذی، ص291

[30] الشمس:15

[31] عمدۃ القاری، ج8، ص335

علم کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یتیم کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی، سفیان ثوری، عبد اللہ بن المبارک (اور امام ابو حنیفہ) کا یہی مذہب ہے۔

مثال نمبر 4: کتاب دراسات فی اصول الحدیث

وراث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا جائزہ نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ وَّرْقَاء عَن ابْن اَبِىْ نَجِيْحٍ عَنْ عَطٰاءٍعَنِ عَبَّا سِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلوَالِدَيْنِ فَنَسَخَ اللهُ مِنْ ذٰلِكَ مَا اَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَجَعَلَ لِلاَ بَوْيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مَنْهُمَا السُّدُسَ وَجَعَلَ لِلْمَرْاَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ (32)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی از ورقاء از ابن ابی نجیح از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ مال اولاد کے لیے ہوتا تھا اور وصیت والدین کے لیے ہوتی تھی، پھر اس میں اللہ نے جو چاہا وہ منسوخ کر دیا، پس مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصوں کے برابر کر دیا، اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ کر دیا اور بیوی کے لیے (اولاد ہو تو) چوتھائی حصہ کر دیا۔

حدیث مذکور کے رجال

(1) محمد بن یوسف الفریابی (2) ورقاء بن عمر بن کلیب ابو بشر الیشکری، یہ اصل میں خوارزم کے تھے، ایک قول یہ ہے کہ کوفہ کے تھے، انہوں نے مدائن میں رہائش رکھی (3) عبد اللہ بن ابی الجیح (4) عطاء ابن ابی رباح (5) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔[33]

اس حدیث میں مذکور ہے کہ والدین کے لیے وصیت منسوخ ہوگئی اور اس کے بدل ان کے لیے وراثت کا حصہ قرار کر دیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ جب والدین کو وراثت مل گئی پھر ان کے لیے وصیت جائز نہیں اور جب والدین کی وصیت جائز نہیں تو دیگر ورثاء کے لیے بہ طریق اولیٰ وصیت جائز نہیں ہے۔

ورثاء کی طرف وصیت کے جواز وعدم جواز میں اختلاف مسالک کے اثرات

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی (9 44ھ) لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے، حضرت ابو امامہ باہلی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔ الحدیث۔[34]

[32] مصنف ابی شیبہ، ج1، ص149،

[33] عمدۃ القاری، ج14، ص54

[34] سنن ترمذی، رقم الحدیث: 2120

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ورثاء کے لیے وصیت جائز ہے اور ان کے لیے اس میں رجوع کا حق نہیں ہے، یہ عطاء حسن بصری، ابن ابی لیلیٰ، زہری، ربیعہ اور اوزاعی کا قول ہے، اور دوسری جماعت نے کہا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اس میں رجوع کر سکتے ہیں یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، شریح حکم، طاؤس، ثوری، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور ابو ثور کا قول ہے۔

امام مالک نے کہا ہے: جب ورثاء نے اس کی صحت کے زمانہ میں وصیت کی اجازت دے دی تو وہ اس وصیت سے رجوع کر سکتے ہیں، اور اگر انہوں نے اس کے مرض میں وصیت کی اجازت دی ہے اور اس وقت کہ جب ان کو مال سے محجوب کیا جائے تو یہ جائز ہے اور یہ اسحاق کا قول ہے۔

پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کی ممانعت دوسرے ورثاء کی وجہ سے تھی پس جب انہوں نے وصیت کی اجازت دے دی تو یہ وصیت جائز ہو گئی اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص پر کچھ لوگوں کا مال واجب ہو تو جب وہ لوگ اس کو قرض سے بری کر دیں تو وہ بری ہو جائے گا اور اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی شخص کسی اجنبی کے لیے تہائی مال سے زیادہ کرے اور ورثاء اس کی اجازت دے دیں تو یہ جائز ہے۔

جن لوگوں نے اس میں رجوع کو جائز قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت انہوں نے اس وصیت کو جائز کہا تھا اس وقت وہ اس مال کے مالک نہیں تھے وہ اس مال کے مالک وصیت کرنے والے کی موت کے بعد ہوں گے اور کبھی وارث اس سے پہلے فوت ہو جاتا ہے اور وہ وارث نہیں ہوتا اور دوسرا وارث ہو جاتا ہے اور اس نے اجازت دی ہے، جس کا اس میں کوئی حق نہیں تھا، لہٰذا اس سے کوئی چیز لازم نہیں ہو گی۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ جب وصیت کرنے والا تندرست تھا تو وہ اپنے پورے مال کا حق دار تھا کہ اس میں جو چاہے کرے پس جب ورثاء نے اس کی صحت میں اجازت دے دی تو انہوں نے ایسی چیز کو ترک کر دیا جو ان کے لیے واجب نہیں تھی اور جب انہوں نے اس کے مرض میں اجازت دی ہے تو انہوں نے اپنے حق کو ترک کر دیا، اب ان کے لیے اس میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔[35]

تجزیہ

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ورثاء کے لیے وصیت جائز ہے اور ان کے لیے اس میں رجوع کا حق نہیں ہے دوسری جماعت نے کہا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اس میں رجوع کر سکتے ہیں، اور زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ رجوع کیا جا سکتا ہے۔

مثال نمبر 5: کتاب دراسات اصول الحدیث

[35] شرح ابن بطال، ج8 ص 121-120

ظہر کی نماز کو عصر تک مؤخر کرنے میں اختلاف مسالک کے اثرات

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ظہر کی نماز کو اول وقت سے لیکر عصر کے وقت تک مؤخر کرنا جائز ہے اور اس یہ مراد نہیں ہے کہ دو نمازوں کو ملا کر ایک وقت میں پڑھا جائے۔

حَدَّثَنَااَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعاً وَثَمَانِياً اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءِ ، فَقَالَ اَيُّبُ لَعَلَّهٗ فِيْ لَيْلَةٍ مَطِيْرَةٍ؟ قَالَ عَسیٰ(36)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی اور وہ ابن زید ہے، از عمرو بن دینار از جابر بن زید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات رکعات اور آٹھ رکعات نماز پڑھی، ظہر اور عصر کی اور مغرب اور عشاء کی۔ ایوب نے کہا: شاید یہ بارش کی رات تھی؟ انہوں نے کہا: یہ (بارش) متوقع تھی۔

دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے کی کیفیت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں سات رکعات اور آٹھ رکعات نماز پڑھی، ظہر اور عصر کی اور مغرب اور عشاء کی یعنی آپ نے ظہر اور عصر کی آٹھ رکعات نماز اس طرح پڑھی کہ ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کیا اور عصر کی نماز کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھا پھر مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت تک مؤخر کیا اور عشاء کو ابتدائی میں پڑھا اور اس طرح آپ نے صورۃً دو نمازوں کو جمع کیا، اور حقیقۃً جمع نہیں کیا کیونکہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھی۔

علامہ ابن بطال کے امام ابو حنیفہ پر دو مثل سائے اور ظہر اور عصر کے درمیان فاصلہ قرار دینے کے اعتراض۔

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی (449ھ) لکھتے ہیں:

امام مالک نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان نمازوں کو جمع کرنا بارش کے موقع پر تھا، جیسا کہ ایوب نے اس حدیث کی تاویل کی ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز کے اوقات مشترک ہیں، اور اس حدیث میں امام شافعی کے اس قول کا رد ہے کہ ظہر کے آخر وقت اور عصر کے اول وقت کے درمیان فاصلہ ہے، جس میں ظہر کی کوئی نماز جائز ہے نہ عصر کی اور اس حدیث میں اس شخص کا بھی رد ہے جو کہتا ہے کہ عصر کا وقت اس وقت تک داخل نہیں ہوتا جب تک کہ ہر چیز کا سایا دو مثل نہ ہو جائے اور وہ امام ابو حنیفہ ہیں، اور رد کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازوں کے درمیان فاصلہ کو نہیں بیان فرمایا اگر ان کے درمیان فاصلہ ہوتا تو اس فاصلہ کو نبی ﷺ بیان فرماتے۔[37]

---

[36] صحیح بخاری، رقم الحدیث، 543

[37] شرح ابن بطال، ج2، ص226

تجزیہ

شوافع کے نزدیک نماز کے اوقات مشترک ہیں، جبکہ احناف کے نزدیک ظہر کے آخر وقت اور عصر کے اول وقت کے درمیان فاصلہ ہے، جس میں ظہر کی کوئی نماز جائز ہے نہ عصر کی اور اس حدیث میں اس شخص کا بھی رد ہے جو کہتا ہے کہ عصر کا وقت اس وقت تک داخل نہیں ہوتا جب تک کہ ہر چیز کا سایا وہ مثل نہ ہو جائے۔

مثال نمبر6: کتاب دراسات فی اصول الحدیث

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بیان فرمایا: "ولی کے بغیر نکاح نہیں منعقد ہوتا۔"[38]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جس عورت نے اپنے ولیوں کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے پس اگر اس نے عورت کے ساتھ دخول کر لیا تو اس کے ساتھ دخول کی وجہ سے اس کو نصف مہر دینا ہوگا پھر ولیوں میں تنازع ہو تو جس کا کوئی ولی نہیں ہے تو اس کا ولی سلطان ہے۔[39]

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں تو وہ ان کے نکاح میں فوت ہو گئے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی تو پھر نجاشی نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور آپ اس وقت حبشہ میں تھیں۔[40]

امام بخاری نے اس عنوان پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ[41]

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (ان ہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں کے ولیوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ اگر وہ اپنے پہلے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو وہ اس کو منع نہ کریں پس اگر عقد نکاح عورتوں کی طرف مفوض نہ ہوتا تو وہ عورتیں ممنوعات نہ ہوتیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس آیت کے استدلال مکمل نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر کلام یہ ہے کہ یہ خطاب ان شوہروں سے ہے جو اپنی بیویوں سے عقد نکاح کرتے ہیں پھر عدت پوری ہونے کے بعد ان کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے اپنی غیرت اور حمیت کی وجہ سے روکتے ہیں اور یہ حمیت جاہلیہ تھی وہ اپنی بیویوں کو اس سے روکتے تھے کہ وہ عدت کے بعد جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ اگر تم یہ سوال

---

[38] سنن ابو داؤد، رقم الحدیث، 1881

[39] سنن ترمذی، رقم الحدیث، 1102

[40] سنن نسائی، رقم الحدیث، 335

[41] البقرہ: 232

کرو کہ یہ آیت تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ امام بخاری کی روایت عنقریب آئے گی اور امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے حدیث میں ہے:
حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن تھی جس کا میں نے اپنے چچا کے بیٹے سے نکاح کر دیا تھا پھر اس نے پس جس نے یہ کہا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اس نے یہ استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان عورتوں کے ممانعت نکاح کو ترک کر دو اور اس میں یہ دلیل ہے کہ عورتوں کے عقد نکاح کی ولایت ان کے ولیوں کی طرف ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث متعدد وجوہ مختلفہ سے روایت کی گئی ہے اور اسی طرح اس کے سبب نزول میں بھی متعدد روایات ذکر کی گئی ہیں بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں عورت کے ولیوں کو خطاب ہے اور اور بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں مطلقعہ عورتوں کے شوہروں کو خطاب ہے اور بعض نے کہا: اس آیت میں تمام لوگوں سے خطاب ہے سو اس بناء پر اس آیت سے امام بخاری کا استدلال مکمل نہیں ہو گا۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے منع کیا ہو کہ وہ اپنی بہن کو مراجعت کی ترغیب دینا چاہتے ہوں وہ مراجعت سے توقف کرتی تھیں تو انہوں نے اس توقف کو ترک کرنے کا حکم دیا۔ امام ابو بکر بن الجصاص نے حضرت معقل کی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ روایت اہل نقل کے مذہب کے مطابق ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک جمہول راوی ہے اور رہی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی حدیث تو وہ مرسل ہے اور رہی آیت تو اس میں مطلقعہ عورتوں کے شوہروں سے خطاب ہے نہ کہ ان کے ولیوں سے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔[42]

النساء کے عموم میں بیوہ اور کنواری عورتوں کے داخل ہونے کے اعتبار سے فقہی قاعدہ

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: اس آیت میں وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فرمایا اور النسآ کے عموم میں بیوہ اور کنواری عورتیں دونوں داخل ہیں۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔[43]

اور مشترکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اس آیت کے حکم میں بیوہ اور اسی طرح کنواری عورتیں دونوں داخل ہیں۔

تجزیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے ولیوں سے خطاب فرمایا ہے اور ان کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے زیر سرپرستی یا زیر پرورش مسلمان لڑکیوں کا مشرکین سے نکاح کر دیں، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورتوں کے نکاح کا معاملہ خود ان عورتوں کی طرف نہیں بلکہ ان عورتوں کے ولیوں اور سرپرستوں کی طرف مفوض ہے۔

---

[42] عمدۃ القاری ج20، ص171-170

[43] البقرہ:221

مثال نمبر7: خبر واحد کی مختلف انواع کے ذیل میں بیان ہونے والی امثال فقہیہ

جمع رسول اللہ بین الظہر والعصر والمغرب والعشاء من غیرخوف ولاسفر (44)

الجمع بین الصلواتین میں اختلاف مسالک کے اثرات

جمع کی دو قسمیں ہیں۔ (1)جمع حقیقی (2)جمع صوری۔

جمع حقیقی: ایک نماز کے وقت میں دو نمازوں کو پڑھنا۔

جمع صوری۔ دو نمازوں کو صرف صورتاً جمع کرنا، بایں طور کہ ایک نماز کو اپنے وقت کے آخری حصہ میں پڑھے اور دوسری نماز کو اپنے اول وقت میں پڑھے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔۔ جمع صوری جائز اور جمع حقیقی صرف عرفات اور مزدلفہ میں جائز ہے اس کے علاوہ (دوسرے مواقع میں) ناجائز ہے۔

قرآن کریم آیت ہے:۔

إِنَّ الصَّلوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا-(45)

کہ بے شک نماز مؤمنوں پر اپنے وقت میں فرض کی گئی ہے۔

"امامیت جبرائیل علیہ السلام والی حدیث کہ آپ علیہ السلام نے اوقات صلوۃ کی تعلیم دینے کے لیے دو دن آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امامت کرائی"(46)

(3)ترمذی میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی نماز کے اوقات معلوم کرنے کے لئے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن اس کو مدینہ میں رکھا اور عملاً اوقات صلوٰۃ کی تعلیم دی۔(47)

آئمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک۔۔۔ جمع حقیقی (جمع الصلوٰتین) مطلقاً جائز ہے۔

دلیل۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

"قال جمع رسول اللہ ﷺ فی غزوۃ تبوک بین الظہروبین المغرب والعشاء (48)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں ظہر اور عصر کی نمازوں اور مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع فرمایا ہے۔

44قدامہ، المغنی، ج2، ص120

45 النساء:103

46ابوداؤد، ج1، ص76

47ترمذی، رقم الحدیث، 2413

48 صحیح مسلم، رقم الحدیث، 7016

جواب۔ حدیث جمع صوری پر محمول ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سفر میں ایک نماز آخر وقت میں پڑھی، تھوڑا سا انتظار کیا، پھر دوسری نماز اس کے اول وقت میں پڑھی۔

دوسرا مقصد جمع بین الصلوتین / دو نمازوں کو جمع کرنا:

اول: دو نمازوں کو جمع کرنے کی مشروعیت حنفیہ کے سوا جمہور کے نزدیک ظہر اور عصر کی جمع تقدیم یعنی ظہر کے وقت میں اور جمع تاخیر یعنی عصر کے وقت میں دونوں جائز ہیں تو اس میں ظہر کی طرح جمع تقدیم جائز ہے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء میں جمع تقدیم اور تاخیر دونوں جائز ہیں۔ البتہ قصر کی طرح طویل سفر (۸۹ کلومیٹر) میں جائز ہے۔

جمع بین الصلوتین ظہر اور عصر میں اور مغرب اور عشاء ہوتی ہے۔ پہلی نماز کے وقت میں جمع کو جمع تقدیم اور دوسری نماز کے وقت میں جمع کو جمع تاخیر کہتے ہیں۔ البتہ دو نمازوں کو جمع کرنا افضل ہے اس سے اختلاف سے بھی بچت ہو جاتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر ہمیشگی نہیں کی اگر یہ افضل ہوتا تو قصر کی طرح اس پر بھی ہمیشگی فرماتے۔

جمع تاخیر کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی احادیث ہیں جو صحیحین میں آئی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج کے مائل ہونے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر و عصر تک مؤخر کر دیتے پر ٹھہر کر دونوں کو جمع فرما دیتے اور اگر سفر سے پہلے سورج مائل ہو جاتا تو ظہر پڑھتے اور پھر سوار ہوتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ انہیں گھر والوں میں سے کسی کی مدد کے لیے بلایا گیا تو انہیں تیز چلنا پڑا۔ انھوں نے مغرب کو شفق غروب ہونے تک مؤخر کیا پھر رک کر دو نمازوں کو جمع کیا۔ اور انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تیز چلنا ہوتا تھا تو اس طرح کرتے تھے۔

جمع تقدیم کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں جب مغرب کے بعد سفر کرتے تو عشاء جلدی پڑھتے۔ اسے مغرب کے ساتھ پڑھ لیتے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ دو موقعوں کے علاوہ جمع بین الصلوتین جائز نہیں۔ ایک تو حاجی کے لیے عرفہ کے دن ظہر اور عصر کی جمع تقدیم ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ۔ اس لئے کہ عصر اپنے مقررہ وقت سے پہلے ادا کی جاتی ہے اس لئے اس کی اقامت الگ ہو گی تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے۔ دوسرا مزدلفہ کی رات مغرب اور عشاء کی جمع تاخیر ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ یہاں عشاء اپنے وقت پر ہوئی ہے اس لئے علیحدہ اقامت کی ضرورت نہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نماز کے اوقات تواتر سے ثابت ہیں۔ انہیں خبر واحد کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جیسے شیخین نے روایت کیا ہے قسم اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے کوئی نماز اس کے وقت کے علاوہ نہیں پڑھی سوائے دو نمازوں کے۔ عرفہ میں ظہر اور عصر کو جمع کیا ہے اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی۔

حق یہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین جائز ہے اس لئے کہ یہ سنت سے ثابت ہے۔ اور سنت قرآن کی طرح شریعت کا ماخذ ہے۔

دوم: جمع بین الصلوتین کے اسباب اور شرطیں

جمع تقدیم و تاخیر کو جائز کہنے والوں کا اتفاق ہے کہ تین احوال میں جمع جائز ہے۔ سفر، بارش اسی طرف برف اور اولے اور عرفہ او مزدلفہ کی جمع۔ ان کے علاوہ دیگر احوال میں اور جمع کے صحیح ہونے کی شرطوں میں اختلاف ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں کر ظہر اور عصر میں اور مغرب اور عشاء میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر کے اسباب چھ ہیں: سفر بارش، اندھیرے میں کیچڑ، بے ہوشی وغیر عرفہ اور مزدلفہ۔

ان سب صورتوں میں جمع الصلوتین جائز ہے سوائے عرفہ اور مزدلفہ کے کہ یہاں جمع سنت ہے۔

سفر میں جمع مطلقا جائز ہے چاہے سفر لمبا ہو یا چھوٹا۔ بشر طیکہ سفر خشکی کا ہو بحری نہ ہو اس لیے کہ رخصت کو اپنی مورد پر بند رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ مسافر گناہ والا اور لہو لعب والا سفر نہ کر رہا ہو۔

سفر میں جمع تقدیم کے جواز کی شرطیں

جب ظہر کا وقت داخل ہو تو مسافر اپنے پڑاؤ والی جگہ میں آرام کر رہا ہو۔

۲۔ عصر کے وقت سے پہلے کوچ کرنے کی نیت ہو اور آرام کے لیے اگلا پڑاؤ سورج غروب ہونے کے بعد کرنا ہو۔ اگر اصفرار شمس سے پہلے آرام کرنے کی نیت کی ہو تو صرف ظہر پڑھے گا اور عصر کو اپنے اختیاری وقت تک مؤخر کرنا واجب ہو گا۔ اگر پہلے بھی پڑھ لی تو ادا ہو جائے گی۔

اگر اصفرار شمس کے بعد اور غروب سے پہلے آرام کی نیت کی ہو تو ظہر کو اپنے وقت میں پڑھے اور عصر میں اختیار ہے چاہے تو پہلے پڑھے اور چاہے تو بعد میں جب آرام کے لئے رکے اس وقت پڑھ لے۔

اگر ظہر کا وقت داخل ہوتے وقت سفر جاری تھا تو اگر اس نے سورج کے اصفرار کے وقت یا اس سے پہلے رکنے کی نیت کی ہے تو ظہر مؤخر کر دے اور عصر کے ساتھ جمع تاخیر کر دے۔ اگر غروب کے بعد رکنے کی نیت کی ہو تو دونوں نمازوں میں جمع صوری کرے ظہر کو اس کے آخری اختیاری وقت میں پڑھے اور عصر کو اس کے پہلے اختیاری وقت میں پڑھے۔

مغرب اور عشاء کی بھی یہی تفصیل ہے۔ بس زوال (وقت ظہر) کی جگہ غروب آفتاب آجائے گا غروب کی جگہ طلوع فجر آجائے گا اور اصفرار شمس کی جگہ رات کے آخری دو ثلث آجائیں گے۔

مرض پیٹ درد کے مریض وغیرہ کے لیے جمع صوری جائز ہے کہ پہلے فرض کو اس کے اختیاری وقت کے آخر میں اور دوسرے فرض کو اس کے اختیاری وقت کے شروع میں ادا کرے۔ اس صورت میں فائدہ یہ ہو گا کہ جمع صوری مکروہ نہیں ہو گی۔ تندرست آدمی کے لیے جمع صوری مکروہ ہوتی ہے۔

جیسے دوسری نماز (عصر اور عشاء) کے وقت بے ہوش ہونے سر چکرانے یا بخار کا خوف ہو تو وہ دوسری نماز کو پہلی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ راجح قول کے مطابق یہ جائز ہے۔

بارش اور کیچڑ بارش برف اور اولے یا اندھیرے میں کیچڑ بالفعل موجود ہو یا متوقع ہی ہو صرف جمع تقدیم کو جان کرتے ہیں وہ بھی مغرب اور عشاء مسجد میں باجماعت پڑھنے والوں کے لیے جب کہ بارش زیادہ ہو اور تمام لوگ اپنے سر ڈھانپنے لگیں۔ اسی طرح کیچڑ اور مٹی بھی اتنی زیادہ ہو کہ متوسط قسم کے لوگ جوتی نہ پہن سکیں۔ جمع صرف اسی وقت جائز ہے جب کیچڑ اور اندھیرا دونوں ہوں۔ کسی ایک کے پائے جانے سے جمع جائز نہیں۔

اگر جمع بین الصلوتین کے شروع ہونے کے بعد بارش ختم ہوئی تو اسے جاری رکھنا جائز ہے مشہور یہ ہے کہ یہ دونوں نماز میں الگ الگ اذان اور اقامت کے ساتھ ہوں گی پہلی اذان مغرب کے لیے منارے پر بلند آواز سے ہوئی۔ دوسری آذان آہستہ سے مسجد کے اندر ہو گی نہ کہ منارے پر اذان کے لیے مغرب پڑھنے میں تین رکعت کی مقدار تاخیر کرنا مستحب ہے۔ پھر مسجد میں نفل پڑھے بغیر گھروں کو لوٹ جائیں۔ اس لئے کہ اس وقت نفل مکروہ ہیں جمع کے بعد شفق غروب ہونے تک مسجد میں نفل اور وتر نہیں پڑھ سکتے۔

دونوں نمازوں کے درمیان نفل نہیں پڑھے جائیں گے نفلی مکروہ ہیں لیکن جمع کے صحیح ہونے سے مانع نہیں۔ یہ جمع مسجد کے پڑوسی کے لیے جائز نہیں اگرچہ وہ مریض ہو اور اس کے لیے مسجد جانا مشکل ہو یا عورت ہو اور اس سے فتنے کا خدشہ ہو۔

اسی طرح جمع اس کے لیے بھی جائز نہیں جو مسجد میں اکیلے نماز پڑھے۔ ہاں اگر وہ امام راتب ہو اور اسے اپنے گھر لوٹنا ہو تو وہ اکیلا بھی نمازوں کو جمع کر سکتا ہے۔ وہ جامع اور امامت دونوں کی نیت کرے گا۔ اس لیے کہ یہ بمنزلہ جماعت ہے۔ پہلی نماز میں جمع کی نیت کرنا واجب ہے جیسا کہ امامت کی نیت۔(49)

تجزیہ

مریض کو اگر اپنی عقل کے کھو جانے کا خوف ہو یا اس کے لیے زیادہ آسانی ہو تو جمع کر سکتا ہے اور اس کا وقت پہلی نماز کا وقت ہے۔ جمع بین الصلوتین کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔

خلاصۃ البحث

مختلف مسالک کے فقہاء کے درمیان اجتہادی اختلافات کی وجوہات میں سے ایک وجہ احادیث کے ردو قبول اور احادیث کی صحت کو واضح کرنا ہے۔ بعض اوقات احادیث میں تعارض آجاتا ہے یا مشترک المعنی الفاظ آجاتے ہیں تو ان الفاظ کی تشریحات میں اور اس تعارض کو ختم کرنے کی تشریحات میں فقہاء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا علوم الحدیث کی کتب میں بیان کردہ امثال فقہیہ کے تناظر میں مختلف شرعی مسائل کے اندر فقہاء کے مابین اختلاف بعض اوقات احادیث کے عدم ہونے یا غیر عدم ہونے کی بناء پر بھی پایا جاتا

49 سنبھلی، عبد الغفور، کتاب اختلاف آئمۃ الفقہاء فی لمہنۃ، اسلامی کتب خانہ، کراچی، 2015ء، ج1، ص37

ہے۔ مثال کے طور پر عند الحنفیہ جو رفع الیدین تکبیرات الاحرام کے علاوہ جو رفع الیدین نماز کے اندر ہے۔ عند الحنفیہ اسکی احادیث منسوخ ہیں جبکہ عند الشوافع اور عند الاحنابلہ یہ احادیث منسوخ نہیں جبکہ یہ صحیح ہیں یعنی اس تناظر میں رفع الیدین کرنا واجب ہے یہ ناسخ و منسوخ کا معاملہ ہے عند الحنفیہ جو اصول نسخ ہے اسکی بنا پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ عند الحنفیہ جو اصول نسخ حدیث ہے اس میں اور عند الشوافع و حنابلہ اصول نسخ حدیث میں فرق پائے جانے کی وجہ سے رفع الیدین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث عند الحنفیہ اس حدیث کی صحت باقیوں کے مقابلے میں کیا ہے؟ جس سے اختلاف مسالک کے اثرات واضح ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ شرعی احکامات کے اخذ و استنباط میں احادیث نبوی ﷺ کی صحت اور اسماء الرجال جرح و تعدیل تعارض بین الحدیث کے علاوہ دیگر اصول حدیث بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کی بناء پر یہ ناسخ بنتی ہے یا نہیں یہ امام ابو حنیفہ اور باقی آئمہ کے درمیان اختلاف کا موجب ٹھہرا ہے لہٰذا ابنیادی طور پر تو موجب اختلاف اصول الحدیث میں سے ایک اصول۔ اصول نسخ فی الحدیث آ گیا ہے۔ ان مذکورہ عبارات کے تناظر میں اختلاف مسالک کے اعتبار سے اثرات اب بھی موجود ہیں۔

مثال کے طور پہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی ایک رائے ہے کہ پانی پاک ہی ہوتا ہے چاہے ماء قلیل ہو یا ماء کثیر جب تک کہ اس میں نجاست غالب ہو کر ظاہر نہ ہو جائے جبکہ فقہاء احناف اور شوافع ماء قلیل و ماء کثیر کا فرق کرتے ہیں لیکن اگر ہم تطبیق کی صورت میں دیکھیں تو الگ ایسی صورت بن سکتی ہے کہ جہاں پر پانی کی بہت زیادہ قلت ہوتی ہے وہاں فقہ مالکیہ سے مسئلہ کا اخذ و استنباط کیا جا سکتا ہے اور جہاں پر پانی کی کثرت ہوتی ہے وہاں احتیاطاً فقہاء شوافع یا احناف کی آراء کو لیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا کتب علوم الحدیث میں اختلاف مسالک کے اثرات کا دائرہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنی فقہی بنیادوں کے اعتبار سے اب بھی موجود ہے۔ اور تا صبح قیامت موجود رہے گا جو کہ اِس عنوان حسن و جامعیت ہے ایسے مسئلہ جمع بین الصلوٰتین میں جیسا کہ فقہاء احناف ایک طرف دوسرے فقہاء دوسری طرف ہیں۔